Cosmos Multidisciplinary Research E-Journal — Online Available at www.cmrj.in
Recognized International Peer Reviewed Journal — Impact Factor 5.69 — ISSN No. 2456-1665

اُردو شاعری میں حقوقِ ہمسائیگی کا اظہار

Exploring Neighborly Rights in Urdu Poetry

Dr. Abdul Rab — ڈاکٹر عبدالرّب

Associate Professor, Department of Urdu — اسوسیٹ پروفیسر، شعبہ اُردو
Maulana Azad College, Ch.Sambhajinagar — مولانا آزاد کالج، چھترپتی سنبھاجی نگر (اورنگ آباد)
e-mail: abdulraburdu@gmail.com

Abstract تلخیص

اُردو شعر وادب نے فرد و معاشرے کے انفرادی اور اجتماعی جذبات واحساسات کی بہترین ترجمانی کی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اُردو شاعری نے اسلامی تعلیمات واقدار کی ترویج واشاعت میں بھی اہم رول ادا کیا ہے۔ جماعت اسلامی ہند کی جانب سے حقوق ہم سایہ مہم کا آغاز کیا گیا۔ دراصل اُردو شاعری میں حقوق ہمسائیگی کا ذکر ایک سماجی اور اخلاقی مضمون کے طور پر ملتا ہے۔ اردو شاعری میں انسان دوستی حسن سلوک اور معاشرتی ہم آہنگی سے متعلق متعدد اشعار ملتے ہیں۔ اُردو کے ابتدائی دور میں صوفی شعراء نے دیگر پسماندہ اقوام اور ہندوستان کے تمام باشندوں کو بطور پڑوسی اپنا مخاطب بنایا۔ اُردو کے صوفی شعراء نے انسان دوستی اور اخوت کے پیغام کو اپنے اشعار کے ذریعے عام کیا۔ کلاسیکی شعراء میر تقی میرؔ، مرزا غالبؔ اور خواجہ میر دردؔ وغیرہ نے انسانی رشتوں اور پڑوسیوں کے دکھ درد کو ذاتی احساس کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اُردو کے جدید شعراء نے اپنے پڑوس و ہم سایہ کے کرب واضطراب کو درد مند انسان کے طور پر دیکھنے کی کوشش کی اور اپنے اشعار کے ذریعے یہ واضح کیا کہ ہمارے معاشرے کی تباہی کی اصل وجہ ایک دوسرے کے حقوق کی پامالی بھی ہے۔ اس مقالے میں راست طور پر پڑوسی اور ہمسایہ سے متعلق جدید شعراء کے اشعار کے حوالے سے یہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ اردو شاعروں نے اسلامی تعلیمات بطور خاص ہمسایہ کے حقوق کی ادائیگی کو اپنے اشعار میں کس سلیقے اور درد مندی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

اُردو زبان صدیوں سے ہندوستان کی مقبول ترین اور پسندیدہ زبان رہی ہے۔ اُردو زبان نے ہندوستانی رسم ورواج اور گنگا جمنی تہذیب کو اپنے دامن میں جگہ دی ہے۔ اُردو زبان کی ایک اہم خوبی یہ بھی رہی ہے کہ اس نے تمام مذاہب کی اعلی انسانی اقدار پر مبنی تعلیمات کو اپنی شاعری کے ذریعے بڑے دل نشیں انداز میں پیش کیا ہے۔ اسی روایت کی پاسداری کرتے ہوئے اُردو کے تمام مسلم اور غیر مسلم شعراء وادباء نے مذہب اسلام کی اعلیٰ وارفع تعلیم اور حسن معاشرت کو اپنی تخلیقات میں بڑی خوبی سے پیش کیا ہے۔ اُردو شعر وادب نے ابتداء سے ہی مذہبی رواداری صلح کل اور دیگر مذاہب کے ساتھ ہمدردانہ برتاو کو فروغ دیا۔ صوفیائے کرام نے اپنی شاعری میں اسلامی اخلاقیات، اخوت، رواداری، صبر وایثار اور ہمسایہ قوموں کے حقوق کی پاسداری کو اپنی شاعری اور زندگی کا محور بنایا۔ خانقاہی نظام کو فروغ دیتے ہوئے دیگر مذاہب کے پسماندہ باشندوں کو اسلام کے سایۂ عاطفت میں پناہ دی گئی۔ صوفی شعراء نے ہندوستان کی ملی جلی عوامی زبان میں درس انسانیت پیش کیا جن کا مسلک محبت وآشتی تھا۔ ان صوفی شعراء کا ماننا تھا کہ :

یہی ہے عبادت یہی دین ایماں
کہ کام آئے دنیا دنیا میں انساں کے انساں

اُردو زبان جب ارتقائی مراحل سے گزر رہی تھی اس وقت سے ہی اُردو شعراء نے ذات پات کی بندش اور صدیوں کے استحصال اور خرافات میں گرفتار انسانوں کو اسلام کی تعلیمِ مساوات سے روشناس کروایا۔ یک جہتی اور مساوات کی تعلیم سے متاثر ہو کر سینکڑوں افراد دائرہ اسلام میں داخل

ہونے لگے۔اس دور کے شعراءاور صوفیائے کرام کا ماننا تھا کہ تمام برادرانِ وطن اور پسماندہ طبقات کے افراد ہمارے ہم سایہ اور پڑوسی ہیں اور انہیں دینِ اسلام کے سایۂ عاطفت میں داخل ہونا چاہیے۔اُس دور کے اُردو شعراء نے اس بات کا بخوبی ادراک کیا اور پسماندہ اقوام کے دکھ درد کو امیرؔ مینائی کے شعر کے مصداق اپنا درد محسوس کیا:

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

اس خطے میں حضرت بابا فرید امیر خسروؔ، برہان الدین جانمؔ، ولیؔ اورنگ آبادی، بیدمؔ شاہ وارثی، خواجہ میر دردؔ، مومن خاں مومنؔ اور امیرؔ مینائی وغیرہ نے اپنی شاعری کے ذریعے اسلام کی بنیادی تعلیمات کو عام کرنے کی کوشش کی۔ان شعراء نے مقامی زبانوں اور معاشرت سے ہم آہنگ ایک ایسی علمی وادبی زبان کو چلن دیا جس کی وجہ سے اسلام کے رسوم وعقائد اور اقدار کو بہت تیزی سے فروغ حاصل ہوا۔دراصل اُردو زبان میں اسلامی تعلیم وعقائد کو فروغ دینے کی وجہ سے ہندوستان میں اُردو زبان اور مذہب اسلام دونوں کی بنیادیں استوار ہوئیں۔

جہاں تک اُردو شاعری میں ہمسایہ یا پڑوسی کے حقوق کا اظہار ہے؛کلاسیکی دور سے لے کر جدید دور کی شاعری میں بہت سے اشعار ایسے دیکھنے کو ملتے ہیں جس میں ہم سایہ اور پڑوسی کے دکھ درد اور عزت وآبرو کا بیان بڑے جذباتی انداز میں کیا گیا ہے۔اسلامی معاشرہ اپنی بقاء ونشو ونما کے لیے باہمی تعلقات اور خیر خواہی وغیرہ کے جذبات سے تغذیہ حاصل کرتا ہے۔اس لیے اسلامی تعلیمات میں پڑوسی اور ہم سایہ کے حقوق کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔اسلام میں رشتہ دار، عزیز واقارب اور دوست واحباب کے علاوہ ایک بنیادی اور اہم رشتہ ہمسایہ اور پڑوسی کا ہے۔قدیم زمانے سے لے کر آج تک اسلامی اور مشرقی تہذیب وثقافت اور اخلاقی اقدار میں پڑوسی اور ہمسایہ کے حقوق کو غیر معمولی اہمیت دی گئی ہے۔قرآن مجید، احادیث نبوی ﷺ اور فقہی اصولوں میں بارہا ہمسایہ کے حقوق کے ادائیگی کی تاکید کی گئی ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ :"جبریل مجھے پڑوسی کے بارے میں مسلسل نصیحت کرتے رہے، یہاں تک کہ مجھے لگا کہ وہ اسے وارثوں میں شامل کر دیں گے۔(بخاری)

مذکورہ بالا ارشاد نبوی ﷺ سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں معاشرتی نظام کی بنیاد ہمسایہ اور پڑوی کے ساتھ حسن سلوک پر مبنی ہے جس کی پاسداری لازمی ہے۔اُردو شاعری ہمیشہ سے اعلیٰ ترین انسانی احساسات اور اخلاقی اقدار کی ترجمان رہی ہے۔اُردو شاعری میں جہاں محبت، رواداری، اخوت، انسان دوستی اور سماجی انصاف کے موضوعات ملتے ہیں وہیں حقوق ہم سائیگی کا تصور کہیں براہ راست ملتا ہے تو کہیں علامتی انداز اور اشارے وکنایے میں دکھائی دیتا ہے۔کلاسیکی شاعری سے لے کر جدید شاعری تک مختلف شعراء نے اپنے اپنے سماجی پس منظر میں حقوق ہمسایہ سے متعلق متعدد موضوعات کو اپنے اشعار میں نہایت خوبی کے ساتھ پیش کیا ہے۔

کلاسیکی شعراء جن میں میر تقی میرؔ اور مرزا غالبؔ کا نام سرفہرست آتا ہے جنھوں نے انسانی رشتوں اور پڑوسیوں کے دکھ درد کو ذاتی احساس کے ساتھ بیان کیا۔میر تقی میرؔ بہت ہی حساس شخصیت کے مالک تھے، انہوں نے انسان کے جذبات اور دکھ درد کو اپنی شاعری کا مرکز بنایا ہے۔میرؔ کے اشعار میں انسانیت کا تصور حساس دل کے ساتھ ابھرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔میرؔ نے پڑوسی کی تکلیف کو اپنے درد کے باوجود بھی محسوس کیا ہے شعر ملاحظہ فرمائیں، کہتے ہیں کہ:

جو اس شور سے میرؔ روتا رہے گا
تو ہم سایہ کاہے کو سوتا رہے گا

اس خیال کو اُردو کے شاعر مصحفی ہمدانی نے کچھ اسی انداز سے پیش کیا ہے کہ:

جو تو اے مصحفیؔ راتوں کو اس شدت سے روے گا

تو میری جاں پھر کیونکہ ہمسایہ سووے گا

دراصل یہ شعر اُردو کی اس روایت کا نمائندہ ہے جس میں انسانی رشتے، دردمندی اور ہمدردی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔اس شعر میں شاعر کا درد و غم صرف کسی شخص تک محدود نہیں رہتا بلکہ تمام معاشرے کو متاثر کرتا ہے۔اس شعر میں فرد واحد کے دکھ درد کو اجتماعی غم کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔اس شعر میں ہم سایہ محض پڑوسی نہیں ہے بلکہ انسانوں کے باہمی رشتوں کی علامت ہے۔اس شعر میں شاعر اخلاقی پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے کہنا چاہ رہا ہے کہ انسان کو دوسرے کے دکھ درد کو اپنا درد سمجھنا چاہیے، کسی کی تکلیف پر لاتعلقی انسانیت کے خلاف ہے۔غزل میں صرف معاشرے کے درد و کرب کو پیش نہیں کیا جاتا بلکہ اس میں نجی احساسات اور فرد کے جذبات کا اظہار بھی ہوتا ہے۔مرزا غالب اپنی طبع اور ظرافت کی وجہ سے ہندوستان بھر میں مشہور ہیں۔غالبؔ نے بھی کئی اشعار میں اپنے وارداتِ قلب اور تنہائی کو اشعار کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ملاحظہ فرمائیں:

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو

ہم سخن کوئی نہ ہو ہم زباں کوئی نہ ہو

بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہیے

کوئی ہم سایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو

پڑیے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار

اور اگر مر جایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

درج بالا اشعار آج کے دور کے انسانی جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔موجودہ دور کا انسان موبائل اور انٹرنیٹ کے ذریعے ہر اس چیز سے تعلق قائم کر رہا ہے جو اس کی پہنچ سے دور ہے لیکن جن سے قریبی تعلق ہے اُن سے لاتعلق ہوتا جا رہا ہے۔غالبؔ نے ان اشعار میں فرد کی تنہائی اور دنیوی ہنگاموں سے دور رہنے کی شدید خواہش کا اظہار کیا ہے۔مذکورہ اشعار صرف شاعر کی داخلی کشمکش، زمانے سے بیزاری اور اپنی روحانی و فکری آزادی کی تمنا کو پیش نہیں کرتے بلکہ آج کے انسان کے جذبات، زمانے کے رنج و الم، رشتوں کی زنجیروں، رسمی تعلقات اور معاشرتی دباؤ سے فرار کی راہ دکھاتے ہیں۔

موجودہ دور کی اُردو شاعری میں حقوق ہمسائیگی کا اظہار محض روایتی اخلاقی پیغام نہیں ہے بلکہ ایک زندہ معاشرتی ضرورت کے طور پر سامنے آتا ہے۔

جدید شاعری میں حقوق ہم سائیگی کوئی مجرد فلسفیانہ تصور نہیں ہے بلکہ ایک اخلاقی نظام ہے۔جدید دور کے شعراء نے طبقاتی تقسیم اور انسانی غفلت کے تناظر میں حقوق ہمسائیگی کی اہمیت کو نمایاں کیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ معاشرتی تباہی کی اصل وجہ ایک دوسرے کے حقوق کی پامالی بھی ہے:

اگر پھولوں کی خواہش ہے تو سن لو

کسی کی راہ میں کانٹے نہ رکھنا

پڑوسی کے مکان میں چھت نہیں ہے

مکان اپنے بہت اونچے نہ رکھنا

تابش مہدی

اسی خیال کی ترجمانی کرتا ہوا دوسرا شعر ملاحظہ کریں:

بے پردگی پڑوس کی جس کو ہو عزیز
دیوار اپنے گھر کی وہ کیسے بنائے گا

نامعلوم

اسلامی تعلیمات میں یہ ہدایت شامل ہے کہ جب کوئی شخص اپنا مکان بنوائے تو اس کی دیواریں اتنی اونچی نہ کرے کہ پڑوسی کو تکلیف پہنچے۔ حضور اقدس ﷺ خود قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ' اللہ کی قسم ! وہ ایمان والا نہیں، جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہیں '۔ اسلام میں پڑوسی کو تکلیف پہنچانے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔ اچھے انسان کے لیے یہ معیار طے کیا گیا ہے کہ اس کا پڑوسی اپنے ہم سایہ سے راضی ہو۔ اس طرح اسلامی تعلیمات پر مبنی افکار و خیالات جو پڑوسی کے حقوق سے متعلق ہیں، شعراء نے بڑی خوبصورتی سے اپنے اشعار میں ڈھال کر پیش کیا ہے۔

اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے۔ اسلام نے خوشگوار زندگی کے لئے ضروری تمام معاشرتی اصول و ضوابط کو واضح طور پر پیش کیا ہے جن پر عمل پیرا ہو کر ہم رہتی دنیا تک چین و امن کی زندگی گزار سکتے ہیں۔ اسلام اس بات کی سختی سے ممانعت کرتا ہے کہ کسی کی نجی اور ذاتی زندگی میں تاک جھانک کی جائے۔ اسلام جہاں ایک طرف پڑوسی اور ہمسایہ کی پردہ داری کرنے اور اس کے گھر میں بیجا دخل اندازی، غیر ضروری شور و شغب اور تکلیف پہنچانے سے باز رہنے کا حکم دیتا ہے وہیں یہ بھی حکم دیتا ہے کہ پڑوسی کے دکھ درد میں مشکل وقت میں اس کا ساتھ دیا جائے۔ اچھے پڑوسی کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے حرکت و عمل سے کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے پڑوسی کی دل آزاری ہو۔ اسی خیال کی ترجمانی اردو کے مشہور شاعر شکیبؔ جلالی نے بڑی خوبی سے اپنے شعر میں کی ہے:

رہتے ہیں کچھ ملول سے چہرے پڑوس میں
اتنا نہ تیز کیجیے ڈھولک کی تھاپ کو

شکیبؔ جلالی

اسلامی تعلیمات میں اس بات کا اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر آپ شوربہ بھی پکائیں تو اس میں پانی کی مقدار بڑھا دیں تاکہ پڑوس میں تقسیم کیا جا سکے۔ اسلامی اقدار میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اپنے گھر کے چھوٹے بچوں کو کوئی چیز کھانے کے لئے دیں تو اس کے چھلکے پڑوس میں نا پھینکنے کی ہدایت دیں تاکہ پڑوس کے بچوں کو اپنی کمی یا غربت کا احساس ہو۔ اسلام کی اتنی رحمدلانہ تعلیم کے باوجود مسلمانوں کے قول و فعل میں بہت زیادہ تضاد دکھائی دیتا ہے۔ برادرانِ وطن میں سے کئی لوگوں کا ماننا ہے کہ اسلام ایک بہترین مذہب ہے لیکن مسلمان ایک بدترین قوم ہے۔ دراصل آج کے دور کا مسلمان اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا نہیں ہے۔ آپسی اختلافات اور پڑوسیوں کے ساتھ رنجش و ناچاقی روز کا معمول بن گئی ہے۔ اپنے پڑوسیوں سے حسد اور جلن مسلمانوں کا شیوہ بن چکا ہے۔ جہاں اسلامی تعلیم کے مطابق پڑوسی اور ہم سایہ کو ایک دوسرے کا غمخوار اور سچا ساتھی ہونا چاہیے تھا وہی اپنے پڑوسی کو تباہ و برباد کر دینے پر آمادہ دکھائی دیتا ہے۔ اُردو شعراء نے ان موضوعات کو بھی اپنی شاعری میں طنزیہ انداز میں پیش کیا ہے۔ دکن کے مشہور شاعر سلیمان خطیب نے اپنی نظم ''پڑوسی نامہ: تمام اجاڑ صورت پڑوسیوں کے نام'' میں طنزیہ و مزاحیہ انداز میں پڑوسی کے ذریعے کی جانے والے ان تمام شرارتوں اور تکالیف کا احاطہ کیا ہے جو ہمارے معاشرے میں رائج ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد نظموں اور اشعار میں پڑوسی اور اس کے بچوں اور اہل و عیال کی جانب سے کی جانے والی شرارتوں کو پیش کیا گیا ہے۔ اس موضوع سے مناسبت رکھنے والے چند اشعار ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں ملاحظہ فرمائیں کہ کلیم عاجزؔ نے اپنے شعر میں کس کرب کے ساتھ آج کے پڑوسیوں کی فطرت کو پیش کیا ہے:

اب انسان کی بستی کا یہ عالم ہے کہ مت پوچھو
لگے ہے آگ اک گھر میں تو ہمسایہ ہوا دے ہے

کلیم عاجز

آج کے دور میں ہمارے معاشرے کے بڑے حصے کا المیہ ہے کہ یا تو وہ اپنے پڑوسی سے لاتعلق ہے یا اس سے حسد کرتا ہے۔ماضی میں ہندوستان بھر کے مختلف قصبات اور دیہاتوں میں مشترکہ خاندان کی روایت موجود تھی۔ تمام پڑوسی اپنے اطراف واکناف کے لوگوں، دوست واحباب اور ہم سایوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ شادی بیاہ، پیدائش و وفات سے لے کر روزمرہ کے معمولات میں ایک دوسرے کا لحاظ کرتے۔ایک دوسرے کی چھوٹی چھوٹی خوشیوں اور پریشانیوں میں شریک ہوتے۔ایک دوسرے کے دکھ درد بانٹتے اور آپس میں مدد کرنے کو فرضِ عین سمجھتے۔اسی روایت کی پاسداری کرنے والی خواتین کی یاد میں دورِ جدید کی شاعرہ اسنیٰ بدر نے بڑے خوبصورت نظم بعنوان "وہ کیسی عورتیں تھیں'' تحریر کی ملاحظہ کریں:

وہ کیسی عورتیں تھیں

جو گیلی لکڑیوں کو پھونک کر چولہا جلاتی تھیں
جو سل پر سرخ مرچیں پیس کر سالن پکاتی تھیں
سحر سے شام تک مصروف لیکن مسکراتی تھیں
بھری دوپہر میں سر اپنا جو ڈھک کر ملنے آتی تھیں
جو پنکھے ہاتھ کے جھلتی تھیں اور بس پان کھاتی تھیں
جو دروازے پر رک کر دیر تک ہمیں نبھاتی تھیں
کوئی سائل جو دستک دے اسے کھانا کھلاتی تھیں
پڑوسن مانگ لے کچھ باخوشی دیتی دلاتی تھیں
جو رشتوں کو برتنے کے کئی نسخے بتاتی تھیں
محلے میں کوئی جو مر جائے تو آنسو بہاتی تھیں
کوئی بیمار پڑ جائے اس کے پاس جاتی تھیں دے
وہ کیسی عورتیں تھیں

اس نظم میں اسنیٰ بدر نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ ماضی میں موجود خواتین کے اعلیٰ اخلاق، ہمدردی اور اخلاقی اقدار کی بازیافت کی ہے۔اس نظم کے تمام اشعار ایک آئیڈیل پڑوسی کی نمائندگی کرتے ہیں جس کی ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ ضرورت ہے۔ماضی میں خواتین اپنے پڑوسیوں سے جس شفقت اور مروت کا مظاہر کرتی تھیں اس کی مثال آج کے دور میں ملنا مشکل ہے۔پڑوس کا رشتہ نبھانے کی بڑی ذمہ داری کسی حد تک خواتین پر بھی عائد ہوتی ہے جسے آج کے دور میں فراموش کیا جا رہا ہے۔اس نظم کے ذریعے شاعرہ نے بڑے سوز و گداز کے ساتھ معاشرے کی خواتین سے اپیل کی ہے کہ وہ اپنے فرائض منصبی کو انجام دیں۔شاعرہ کا ماننا ہے کہ اس طرح کی بااخلاق اور باکردار عورتیں ہمارے سماج سے ناپید ہوتی جا رہی ہیں۔اسنیٰ بدر نے ایسی بااخلاق اور باکردار عورتوں کے ختم ہو جانے کا نوحہ بڑے درد انگیز انداز میں کرتے ہوئے اپنی نظم کا اختتام کیا ہے ملاحظہ کریں:

مگر اپنا زمانہ ساتھ لے کر کھو گئی ہیں وہ

کسی ایک قبر میں ساری کی ساری سو گئی ہیں وہ

دراصل اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر وہ سنہرا دور پھر سے واپس لایا جا سکتا ہے۔اُردو شعراء نے اپنے اشعار کے حوالے سے اسلامی تعلیم کو مد نظر رکھتے ہوئے ان تمام باتوں کا اعادہ کیا ہے۔انھوں نے شاعری کے ذریعے اس بات کا پیغام پہنچانے کی کوشش کی ہے کہ اگر ہم اپنے پڑوسی اور دیگر مذاہب کی اقوام کے ساتھ نیکی کا سلوک کریں اور ان کے دکھ درد میں شریک ہوں ان کے رفیق و غمگسار بنیں تو نفرتیں کم ہو سکتی ہیں۔ایک اچھا اور سچا انسان انفرادی اور اجتماعی طور پر نوع انسانی اور بالخصوص اپنے پڑوسی کا سچا خیر خواہ ہوتا ہے۔اُردو شعراء نے اپنی شاعری کے ذریعے اسی پیغام کو عام کرنے کی کوشش کی ہے۔ہمارے شعراء کا ماننا ہے کہ ہمیں اپنے پڑوسی اور ہم سایہ سے محبت اور ایثار کی ایسی مثال قائم کرنی چاہیے جس کی وجہ سے محبت اور امن و آشتی فضا قائم ہو اور معاشرے کے ہر فرد کو ترقی اور نشو و نما کا بھرپور موقع ملے۔اسی خیال کی ترجمانی درج ذیل شعر میں بڑی خوبی کے ساتھ کی گئی ہے:

ایک شجر ایسا محبت کا لگایا جائے

جس کا ہمسائے کے آنگن میں بھی سایہ جائے

ظفر زیدیؔ

مختصر یہ کہ اُردو شاعری میں کہیں براہ راست طور پر تو کہیں اشارے کنایے میں حقوق ہمسائیگی سے متعلق مختلف خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔اُردو شعراء نے پڑوس کے رشتے کو مختلف زاویوں سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ہمسایہ اور پڑوسی کا موضوع اُردو شاعری کے ہر دور میں شعراء کے مد نظر رہا مگر ہر دور میں اس کے معنٰی بدلتے رہے۔اُردو شاعری میں حقوقِ ہمسائیگی کے موضوع کو کہیں سادہ اخلاقی نصیحت کے طور پر تو کہیں معاشرتی طنز کے طور پر برتا گیا۔غرض اُردو شاعری میں حقوق ہمسائیگی کا اظہار محض ایک اخلاقی پیغام نہیں ہے بلکہ معاشرتی شعور کا حصہ ہے جس کی وجہ سے اُردو ادب کا دامن مزید وسیع ہوا۔

☆ ☆ ☆